افضل العلماء مولانا سید عبدالوہاب بخاری مرحوم

غالباً ۱۹۵۵ء کی بات ہے ایک روز نماز فجر کے بعد جامعہ دارالسلام عمرآباد میں ایک سہ نفری قافلہ آپہنچا، افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق مرحوم، افضل العلماء مولانا سید عبدالوہاب بخاری مرحوم اور قاری کرنل بسم اللہ بیگ مرحوم، ان بزرگوں نے اساتذہ سے ملاقات اور جامعہ کے معاینہ کے بعد ایک مجلس قرأت منعقد کی، جس میں قاری بسم اللہ صاحب نے سورۂ مومن کی یہ آیت سات طریقوں سے پڑھ کر سنائی۔

وَيَا قَوْمِ مَا لِيَ أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ: (۴۱)

ناچیز نے مولانا بخاری کو پہلی بار اسی وقت دیکھا، میانہ قد، بھرا جسم، صاف کھلی گندمی رنگت، چوڑا سینہ، مضبوط کندھے، بڑا سر، شرعی بال، اور اونچی دیوار کی فرکیپ، گول چہرہ، بھرے رخسار، جس پر گھنی شرعی ڈاڑھی، کشادہ پیشانی، بڑی اور روشن آنکھیں، اونچی ناک، پنجابی پاجامہ اور شیروانی زیب کئے ہوئے، بات چیت کا بڑا دلکش انداز، بول مختصر اور حرکات و سکنات سے وقار ٹپکتا، وضعداری کے پتلے میں جماعت سوم کا طالب علم مصافحہ کی سعادت حاصل نہ ہو سکی، شرف دیدار پر اکتفا کر لینا پڑا۔

ایک آدھ برس گزرا، مدراس یونیورسٹی کے زیر اہتمام نیو کالج مدراس میں تقریری مقابلے ہو رہے تھے میری تقریر پر طلبہ نے شور مچانا چاہا تو بخاری صاحب نے فرمایا کہ مقرر کو حق ہے کہ اپنے خیالات بے کم و کاست پیش کرے اور سامعین کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ پوری خاموشی سے سنیں، یہ دوسرا دیدار تھا جو مجھے نصیب ہوا۔

اس کے بعد ۱۹۶۱ء میں افضل العلماء امتحان دینے کیلئے مدراس جانا ہوا، ہال ٹکٹ لینے کے لئے شناختی خط ضروری ہوتا ہے۔ میں نے مولانا بخاری (نیو کالج کے پرنسپل) کی خدمت میں حاضر ہو کر غرض بیان کی، مولانا نے فرمایا، میاں! میں تو تمھیں نہیں جانتا، شناختی خط کیسے دے دوں؟ عرض کیا مگر میں تو آپ کو جانتا ہوں، فرمایا مجھے تو ایک دنیا جانتی ہے۔ پھر میں نے عرض کیا جامعہ

دارالسلام عمرآباد کا طالب علم اور آپ کے بھانجے جناب سید عبدالحیٰ صاحب کا شاگرد ہوں۔ اس پر ارشاد ہوا، عبدالحیٰ سے چٹھی لکھوالاؤ، میں نے تعمیل کی، بخاری صاحب نے شناختی خط دیا، اتنے میں ظہر کا وقت آگیا، مولانا نے وضو کیا اور کالج ہی کی مسجد میں باجماعت نماز ادا کی، یہ ان سے میری تیسری ملاقات تھی۔

پھر پورے پندرہ برس بعد ۱۹۷۵ء میں حیدرآباد جانا ہوا، دائرۃ المعارف میں حاضر ہوا، جہاں میں نے ڈاکٹر عبدالمعید خاں کی ڈائرکٹری کے زمانے میں چار پانچ سال ملازمت کی تھی۔ اب جب پہونچا تو ڈاکٹر صاحب اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اور ان کی جگہ مولانا بخاری ڈائرکٹر تھے۔ ملاقات کے لئے حاضر ہوا، شعبۂ تصحیح کے صدر مولانا سید رشید پاشا صاحب قادری نے تعارف کرایا۔ بخاری صاحب بڑی شفقت سے ملے، یہ مولانا سے میری چوتھی ملاقات تھی۔

جب انھیں معلوم ہوا کہ جامعہ دارالسلام سے فراغت اور مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کرنے کے بعد میں نے چند برس مصحح کی حیثیت سے دائرۃ المعارف میں گزارے، انگریزی میں ایم، اے، کیا اور کالج میں انگریزی کا لیکچرار ہوں تو بہت خوش ہوئے، اور رشید پاشا صاحب سے کہا اگر یہ لڑکا یہاں حیدرآباد میں ہوتا تو میں اسے ضرور پی، ایچ، ڈی کروادیتا۔

اس کے بعد میں نے اس شناختی خط والا لطیفہ یاد دلاتے ہوئے اپنی احسان مندی کا ذکر کیا تو دعا دی، پھر میں نے عرض کیا آپ کے بھانجے اور میرے انگریزی کے استاد عبدالحیٰ بخاری صاحب کہاں ہیں؟ کیسے ہیں؟ فرمایا، پاکستان میں ہیں۔ خیریت سے ہیں، پاکستان گیا تھا ملاقات ہوئی، بڑا صابر و شاکر لڑکا ہے۔ کہہ رہا تھا، ماموں جان! مجھے ہندوستان سے کوئی شکایت نہیں، مگر اپنے اس احساس کو کیا کروں کہ بھارت کی سرزمین پر اپنے آپ کو چھوٹا بھائی محسوس کرتا ہوں، اور مجھے یہ حیثیت پسند نہیں، بزرگوں نے کہا ہے سگ باش برادر خرد مباش۔

اس ملاقات کے دو ڈھائی سال بعد ۱۹۷۷ء میں جامعہ دارالسلام عمرآباد نے جشن طلائی منایا، ہند اور بیرون ہند سے جن بے شمار علماء نے اس شاندار جوبلی کی سہ روزہ تقریبوں میں شرکت کی ان میں مولانا بخاری بھی تھے۔ اب وہ جامعہ کے نائب صدر تھے۔ بہت کمزور ہوگئے تھے۔ دونوں ہاتھ عصا پر رکھے ہوئے خاموش سر جھکائے گفتار کے غازیوں کے جوش و خروش کی گرج سن رہے تھے۔ گویا زیرِ لب مسکرا رہے ہوں گنگنا رہے ہوں ؎

گزر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی

مولانا کا یہ آخری دیدار تھا جو اس عقیدت مند کے حصے میں آیا۔

مولانا کی ذات قدیم و جدید کا سنگم تھی، انھوں نے سیرت اور صورت دونوں سے ثابت کر دیا کہ وہ جدید تعلیم سے قطعاً مرعوب نہیں ہیں۔ وہ سید تھے اور فخر عرب و عجم جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ورثہ انھیں ملا تھا اس کی شان باقی رکھے ہوئے تھے ؎

من ایں مقام بہ دنیا و عاقبت نہ دہم
اگر چہ در پیم افتند خلق انجمنے

یاد نہیں کس سنہ کی بات ہے۔ برطانیہ کی ملکہ ایلزبتھ اور ان کے شوہر ڈیوک آف اڈنبرا ہندوستان آئے شاہی جوڑے نے ایک دن عصر بعد مدراس یونیورسٹی کی ایک خصوصی تقریب میں شرکت کی، اس موقع پر جو عصرانہ دیا گیا، اس کی نشستوں کی ترتیب میں ڈیوک بخاری صاحب کے دائیں جانب بیٹھے تھے۔ تمام مہمانوں نے اپنی اپنی جگہ لی، پارٹی شروع ہوئی، مگر بخاری صاحب نے ہاتھ نہیں بڑھایا ڈیوک نے متعجب ہو کر پوچھا، کیوں؟ کیا بات ہے؟ تناول میں تامل کیوں؟ فرمایا، رمضان ہے، روزہ رکھا ہے افطار میں ابھی چند لمحے باقی ہیں۔ اس پر ڈیوک نے کہا، یہ پوری فوجی ڈسپلن معلوم ہوتی ہے۔ بخاری صاحب نے اپنے شاہی پڑوسی کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا NO MY DEAR BOY IT IS ISLAMIC DISCIPLINE نا بابا نا، یہ فوجی ڈسپلن نہیں، اسلامی ڈسپلن ہے۔ اس پر ڈیوک دم بخود رہ گئے، کچھ دیر بعد افطار کا وقت ہوا تب کہیں انھوں نے ما حضر تناول فرمایا۔

۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے، وطن حیدرآباد دکن، خاندانی جلالت و وجاہت کے اظہار کے لئے اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ مولانا کے دادا آصف جاہ سادس نواب محبوب علی خاں مرحوم کے اتالیق تھے۔
"مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"۔

بخاری صاحب نے جامعہ نظامیہ شبلی گنج حیدرآباد میں کئی سال عربی اور فارسی پڑھی، پھر میٹرک کیا، اور نظام کالج میں بی، اے کیا، ۱۹۲۷ء میں مدراس یونیورسٹی سے ایم، اے اور اگلے سال افضل العلما، ہوئے، ۱۹۲۹ء میں ایل، ٹی کیا، ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس (موجودہ آرٹس کالج) میں لیکچرار رہے، پھر مدرسۂ جمالیہ مدراس کے پرنسپل ہوئے، یہ سلسلہ نو برس جاری رہا، اسی زمانے میں مدراس کی قانون ساز کونسل کے ممبر بھی ہوئے، یہ ممبری سات سال رہی، اس دوران کونسل میں مسودۂ قانون پیش کیا کہ ملیبار کے مسلمان موپلاؤں پر اسلامی قانون

درانتت نافذ کیا جائے ؏

الٰہی توئی مقصود توئی معبود جانم

مولانا بخاری مختلف اوقات میں اسلامیہ کالج وانمباڑی کے پرنسپل، پریسیڈنسی کالج مدراس میں تاریخ اسلام کے پروفیسر، نیو کالج مدراس کے پرنسپل، مدراس یونیورسٹی سنڈیکیٹ کے رکن، اور جمالیہ عربک کالج میں یو۔جی۔سی کے پروفیسر اور پرنسپل رہے، اس کے بعد وہ حیدرآباد چلے گئے، اور دائرۃ المعارف عثمانیہ یونیورسٹی کے ڈائرکٹر ہو گئے۔

مولانا بخاری کے طفیل مسلمانوں میں بڑی علمی بیداری پیدا ہوئی، جنوبی ہند کی شاید ہی کوئی اسلامی تنظیم ایسی ہو گی جس سے آپ وابستہ نہ رہے ہوں۔ گو اصطلاحاً اہل حدیث نہیں تھے مگر اہل حدیثوں سے متاثر اور قریب تھے، جامعہ دارالسلام عمرآباد کے نائب صدرِ اول تھے۔ مدراس یونیورسٹی کے امتحانات افضل العلماء، ادیب فاضل اور منشی فاضل کے مشترکہ بورڈ کے تو مدتوں کرتا دھرتا رہے، جانے کتنے امیدواروں کو اپنی فیاضی سے سرفراز فرمایا، یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے ؏

مباش منکر غالب کی درزمانہ تست

مولانا مرحوم اُردو اور انگریزی کے بڑے اچھے مقرر تھے، مختصر بول، معتدل اسلوب، نپے تلے الفاظ، متوازن افکار و خیالات ان کے تقریری اوصاف تھے۔ سات حج کئے اور ان مبارک سفروں کے دوران عرب رہنماؤں اور عالموں سے ملاقاتیں بھی رہیں اور مذاکرے بھی ہوئے، ۱۹۶۲ء میں بغداد نے الکندی کا جشن منایا، اس میں شرکت کی، اور عربی میں ایسی بہترین تقریر کی کہ اور تو اور اس وقت کے صدر عراق جنرل قاسم مرحوم نے پُرجوش مصافحہ کے بعد پوچھا، "آپ نے عربی کہاں سیکھی"؟ ۱۹۶۴ء میں مشرقِ وسطیٰ کا خیرسگالی دورہ کیا اور مختلف مقامات پر عربی اور فارسی میں تقریریں کیں ؏

یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

مولانا نے ۱۹۴۲ء میں انگریزی میں ہندوستان کی تاریخ پر ایک دلچسپ کتاب لکھی، "بہارستانِ سخن" نام کا ایک فارسی مسودہ حواشی اور تعارف کے ساتھ ایڈٹ کر کے شائع کیا، اسلامی قانون سازی پر ایک مقالہ لکھ کر یو۔جی۔سی کو پیش کیا، اس کے علاوہ انگریزی میں قرآن، حدیث، اسلامی قانون، تصوف اور کلام پر ۱۹۶۳ء میں پانچ لکچر دیئے، جو دارالتصنیف مدراس سے

چھپ کر شائع ہو چکے ہیں ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

گزر چکا ہے کہ بخاری صاحب کی ابتدائی تعلیم جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں ہوئی تھی آخری عمر میں حیدرآباد اٹھ آئے تو اپنی اس مادرِ علمی کے شیخ الجامعہ بنائے گئے تھے۔ ایل۔ شریمالی سابق مرکزی وزیر تعلیم نے اس درسگاہ میں تقریر کرتے ہوئے بڑا معنی خیز جملہ کہا تھا۔ "اس عمارت کی کھڑکیاں کھول دیجئے، تازہ ہوا آنے دیجئے" بخاری صاحب نے اسی کام کا بیڑا اٹھایا، نصاب میں تبدیلیاں کرنی چاہیں، مگر قدامت پسند طبقہ چراغ پا ہو گیا، نوبت یہاں تک پہونچی کہ آپ کو سبکدوش ہو جانا پڑا، مولانا کی زندگی کا یہ آخری تلخ گھونٹ تھا جو خود طبقۂ علماء کے نمائندوں نے ان کے لبوں سے لگایا ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

آخر علم وادب کا یہ آفتاب ۲۹ مئی ۱۹۸۲ء کو آبائی وطن حیدرآباد میں روپوش ہو گیا۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مدراس بلکہ سارے جنوبی ہند کے اسلامی اور سرکاری حلقوں میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، طبعاً بڑے ہمدرد، غمخوار اور مددگار تھے۔ خدا جانے کتنے بے کسوں کو سہارا دیا، اور کتنے مسلم اور غیر مسلم ان کی سفارش سے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے خدمتِ خلق کے میدان میں جنوبی ہند میں افضل العلماء ڈاکٹر محمد عبدالحق مرحوم کے بعد انہی کا نمبر تھا۔ کوئی حاجتمند پہونچ جاتا تو بخاری صاحب کسی رئیس سے بلا تکلف سیدھے سادے انداز سے کہتے، "دیکھ یہ حاجت مند کھڑا ہے اس کی ضرورت پوری کر دے"۔ اللہ نے اس فقیر بے نوا کی ترغیب میں اس بلا کی تاثیر رکھ دی تھی کہ بڑے بڑے امراء اور رؤسا اتنی سی توجہ پر خوشی سے نہال ہو جاتے اور اس حکم کی تعمیل کو عین سعادت گردانتے ؎

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

مولانا عبدالماجد دریابادی نے ۱۹۵۸ء میں مدراس کا سفر کیا تھا رودادِ سفر میں لکھا کہ بخاری صاحب کو دیکھ کر بار بار خیال ہوتا ہے کہ کیوں نہ یہ شخص مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا وائس چانسلر بنا دیا

جائے تاکہ وہاں کی بگڑی ہوئی فضا بن جائے، بخاری صاحب مدتوں یونیورسٹی کورٹ کے معزز رکن رہے، مگر مدراس نہ چھوڑا۔

ہم کہہ آئے ہیں کہ مولانا بخاری نے ۱۹۶۴ء میں حکومت ہند کی طرف سے مشرق وسطیٰ کا خیر سگالی دورہ کیا، الزام ہے کہ انھوں نے ان ملکوں میں بیانات دیئے کہ ہندوستانی مسلمان بالکل امن چین کی زندگی گذار رہے ہیں۔ اس پر ہندوستان کے مسلم حلقوں کی طرف سے سخت احتجاج ہوا، اُردو پریس نے بھی اس کا سخت نوٹس لیا، ان باتوں کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ جنوبی ہند کے مسلمانوں نے اپنے اس قدیمی محسن سے رُخ پھیرلیا، ونعوذ باللہ من الحور بعد الکور۔

اس سلسلہ میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے بھی خامہ فرسائی کی تھی۔ بخاری صاحب نے اس کا جواب دیا کہ بلاشبہ اس ملک میں ہمیں گوناگوں مسائل درپیش ہیں۔ مگر یہ ویسے ہی ہیں جیسے ملک کی دوسری لسانی، تہذیبی اور مذہبی اقلیتوں کو درپیش ہیں۔ تاہم ملک میں مسلمانوں کو عام طور پر اچھی ہی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مولانا دریابادی کی جرح پر مولانا بخاری کو بڑی روحانی اذیت ہوئی، مگر ضبط سے کام لیا اور ذاتی خط میں لکھا تو اس قدر کہ میری آپ سے ملاقاتیں رہی ہیں۔ میں ان کی قدر کرتا ہوں ورنہ ع

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

باخبر حلقوں کا بیان ہے کہ مولانا بخاری کی زندگی زہد و استغناء کی زندگی تھی، چاہتے تو بہت کچھ جتن کرلے سکتے تھے۔ تاہم نہ ذاتی گھر بنایا نہ کوئی BANK BALANCE رکھا کمائی کا بڑا حصہ حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا، یہ مرد قلندر پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن لیتا تھا ع

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

بخاری صاحب نے بڑوں بڑوں سے بڑے بڑے کام لئے، مگر اپنی ذات کیلئے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا، غیرت وحمیت پر ذرا سی آنچ کبھی آنے نہیں دی، خالوادہ سادات کے ایک رکن رکین کا شیوہ وشعار ہونا بھی یہی چاہیئے ع

عدل ہمت ساقی ست فطرت عرفی
کہ حاتم دگراں وگدائے خویشتن است

اس مرد مومن کی زندگی کے آخری دو تین برس بڑی کس مپرسی کی حالت میں گذرے، لڑکے

ایک ہی ہیں۔ عبدالرزاق بخاری، یہ لندن چلے گئے اور اپنے والد نامدار کو تمام تر اللہ کے فضل و کرم پر چھوڑ دیا۔ بخاری صاحب نے اسی برس کی بھرپور زندگی گزاری، بڑی باوقار، رعب دار اور وزن دار شخصیت کے مالک تھے۔ سنجیدگی اور متانت کا پیکر خدائے وہاب اپنے اس بندے عبدالوہاب کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے، آمین ؎

ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

نوٹ

اس مضمون میں مولانا محمد یوسف کوکن صاحب عمری کی کتاب "عربک اینڈ پرسین ان کرناٹکا" سے بڑی مدد ملی، مولانا ممدوح کا ممنون ہوں۔

م۔ش۔ع